میر اور میرا جی کی ذہنی مماثلتیں

پروفیسر ڈاکٹر راشدہ قاضی

Prof. Dr. Rashida Qazi

Principal Govt. College of Commerce for Women, D.G.Khan.

Abstract:

Meer and meera Ji has some similarities. Two things are prominent in the lives of both poets which create a wonderful similarity in their poetry, First place, unsuccessful love played a major part in forming the poetic tendencies of both these poets. The same unsuccessful love give their poetry a pathetic charm. In the second place, both the poets were affected by the wars in their particular ages. Meer was disturbed by the havoc in Delhi and Meera Ji was upheaved by the destruction caused by the world war. So, both these similarities form a resemblance in their poetic attitudes. This article is a research study of their similarities and its effects on their poetry.

اُردو شعری روایت میں میر تقی میر کے شعری قد سے انکار ناممکن ہے۔مگر وہ حالات جن کے سبب میر صحیح معنوں میں میر بنے ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔میر کی یتیمی، کم عمری کے سفر اور پھر میر کا سراج الدین خان آرزو کے گھر کا سات سالہ قیام ان کی شاعری پہ انمٹ نقوش چھوڑ گیا۔یہ بات بھی اہمیت کی حامل ہے کہ خان آرزو کے گھر کا ادبی ماحول میر کے لیے سازگار رہا۔خاص طور پر لغت پہ ان کا کام میر کی شعری گرفت کا باعث بنا اور بعد میں خان آرزو سے کشیدگی بھی عروج پر رہی۔ذکر میرؔ کے مرتب احمد فاروقی نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی:

> ''میرؔ ۴۷۔۱۷۴۱ء/۱۱۶۰۔۱۱۵۳ھ کے درمیان آرزو کے ہاں قیام پذیر رہے تھے۔اس زمانہ میں خان آرزو کے گھر کی کسی لڑکی سے میرؔ نے بڑی شدومد سے محبت کی اور یہ عشق مشک کی خاصیت اختیار کر گیا۔''(۱)

¦ œ طویل زمانی عرصہ گزرنے کے بعد اُردو شعری روایت میں ایک نام ابھرتا ہے جو اپنے دور کی تفہیم نئے حوالے سے کرواتا ہے۔انہوں نے روایتی شاعری سے نہ صرف بغاوت کی بلکہ ہئیت، تجربہ، اسلوب، علامات۔اصناف سخن، لفظیات اور موضوعات کا احاطہ مقامیت سے نہیں کرتا بلکہ وہ مغرب کی ہئیت و موضوعات کو ہندی دیومالا سے جا ملاتے ہیں۔وہ ہندی آواز اور لہجے کو بھی اردو شاعری کے مزاج میں سمونے کا تجربہ کرتے ہیں۔

محمد ثناء اللہ ڈار کا میراجی تک کا سفر درحقیقت ''میں ناہیں سب تو'' کا سفر ہے۔۱۳/۱۴ سالہ بنگالی میرا سین پر ثناء اللہ ڈار فریفتہ ہوا مگر استبداد کی صورت اپنی پہچان گنوا کر میراجی بنا۔

محمد ثناء اللہ ڈار ۲۶ مئی ۱۹۱۲ء میں لاہور کے محلّہ مزنگ میں ریلوے کے سب انجینئر منشی مہتاب کے گھر پیدا ہوئے۔ میراجی کا جنم اس کنبے کے لیے کوئی اہم واقعہ نہ تھا۔(۲)

جوان میراجی نے جب میرا سین کو دیکھا تو فریفتہ ہوا اور ایک بار روائی ایم ایس کے پاس اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے میراجی کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور قدم آگے بڑھا دیے۔اس کے بعد میراجی پہ جو بیتی وہ ساری دنیا جانتی ہے۔اس نے سب سے پہلے اپنا نام بدلا اور پھر اس کے بعد اس کا ایک نیا روپ سامنے آتا ہے۔مالا گلے میں ڈالی۔گھر بار چھوڑا اور تمام عمر در بدر پھرتا رہا۔ایک خط میں میراجی لکھتا ہے کہ میرا سین کی ملازمت میں ۱۳ برس ہو گئے ہیں۔میراجی کے کاغذات میں میرا سین کی اخبار میں چھپی ہوئی تصویر بھی دستیاب ہوئی تھی۔اسی طرح میراجی نے دو خط میرا سین کو لکھے تھے جو اس نے غالباً پوسٹ نہیں کیے تھے۔میرا سین سے اتنی طویل خیالی رفاقت اور جذباتی تعلقات ایک غیر معمولی نفسیات کے مظہر ہیں۔(۳)

یوں دیکھا جائے تو میرؔ اور میراجی کے عشق کی نفسیاتی پیچیدگیاں اپنے اندر گہری معنویت رکھتی ہیں۔میرؔ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۱ برس کی عمر میں آگرہ سے تن تنہا نکلے۔راستے کی صعوبتیں سہتے، بدوضع سراؤں میں قیام کرتے ۳۵-۱۷۳۴ء میں دلی میں داخل ہوئے۔(۴)

میرؔ ۱۷ برس کی عمر میں دوسری بار آگرہ سے دلی پہنچے جہاں نادر شاہ درانی کی غارت گری کے بعد مغلوں کا شکوہ خاک میں مل چکا تھا، محمد شاہ شرم کے مارے تاریخ کے اوراق میں منہ چھپاتا پھرتا تھا۔محمد تقی دلی کے قیام کے دوران ہی میں میرؔ بن گیا۔اس کے ادبی شعور نے سراج الدین خان آرزو کے زیر سایہ تربیت پائی۔نوجوان میر نے خان آرزو کی ذات اور صحبتوں سے بہت کچھ سیکھا مگر ۱۷۴۷ء/۱۱۶۰ھ کے لگ بھگ میرؔ اور خان آرزو کے تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے۔(۵)

خان آرزو کے ہاں قیام کے دوران میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے میر اور خان آرزو کے تعلقات تو خراب ہو ہی گئے ساتھ ہی میرؔ کی زندگی بھی بدل گئی۔خان آرزو کے گھر کی بچی سے میرؔ کا عشق ادبی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے اور اسی وجہ سے وہ جنوں کا شکار ہوئے۔رات گئے چاند سے وہ مثل مہتاب میرؔ کے پہلو میں جلوہ افروز ہوتی اور آخر شب تک صحبت رہتی۔میر کا یہ خبط (Obsession) تھا۔نفسیات کے مطابق یہ Paranola کی صورت تھی۔اسی کیفیت میں ذہنی حالت کی تبدیلی یا خلل کے سبب مریض کے ذہن میں ایسے خیالات آتے ہیں جو اس کے اپنے بس میں نہیں ہوتے۔ایسے میں ذہن پر متخیلہ کا بھرپور قبضہ ہو جاتا ہے اور وہ ان کے زیر اثر ان تمثالوں کو دہرانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ایسے میں ذہنی مریض کی بے بسی اندوہناک ہوتی ہے۔یہ اجباری متخیلہ (Compulsive imagination) داستانوی رنگ پیدا کرتی ہے۔اس میں فحش (Obscene) تمثالیں بھی بن سکتی ہیں، میرؔ اسی ذہنی مرض کا شکار تھے۔میرؔ نے عالم جنوں کے بارے میں اپنی جو کیفیت بتائی وہ یہ ہے:

> ''چاندنی رات میں ایک پیکر خوش صورت، کمال خوبی کے ساتھ کرہ قمر سے میری طرف بڑھتا اور مجھے بے خبر کر دیتا تھا۔جدھر بھی میری نظر اٹھتی، اسی رشک پری پر پڑتی، جس طرف بھی دیکھتا تھا، اسی غیرت حور کا تماشا کرتا تھا۔میرے گھر کے در و بام اور صحن (گویا) ورق تصویر ہو گئے تھے۔یعنی شش جہت میں وہی حیرت افزا (چہرہ) نظر آتا تھا۔کبھی چودھویں کے چاند

کی طرح سامنے ہوتا، کبھی منزلِ دل اس کی سیر گاہ ہوتی اگر گلِ مہتاب پر نظر پڑ جاتی تو گویا جانِ بے تاب میں آگ سی لگ جاتی۔ ہر رات اس سے محبت رہتی اور ہر صبح اس بن وحشت رہتی۔ جب سفیدۂ سحر نمودار ہوتا تو وہ جلے دل سے ٹھنڈی آہ بھرتی۔ یعنی ایک آہ بھر کر چاند کی طرف واپس ہو جاتی میں تمام دن جنون کرتا اور اس کی یاد میں دل کو خون کرتا، دیوانہ و مست کے مانند کفِ برلب ہاتھوں میں لیے پھرتا۔ میں افتاں و خیزاں اور لوگ مجھ سے گریزاں۔۔۔ چار مہینے تک وہ گلِ شب افروز نئے گل کھلاتا رہا اور اپنے فتنہ خرام سے قیامت ڈھاتا رہا۔ ناگاہ موسم بہار آیا۔ جنون کے داغ (اور بھی) ہرے ہو گئے۔ یعنی میں آسیبی سا ہو گیا اور مطلق کسی کام کا نہ رہا۔ بس وہ خیالی صورت نظر میں اور اس کی مشکیں زلفوں کا بیان سر میں لائق کنارہ گیری ہو گیا۔ یعنی زندانی و زنجیری ہو گیا۔''(۶)

میر اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان کے ان شعرا میں شمار ہوتے ہیں جن کو اُردو ادب کی شعری روایت میں اعتبار اور اقتدار کا رتبہ حاصل ہے۔ جذبے، احساس، تخیل، سوز و گداز اور ذات کے تجربے کی آنچ سے میر نے اردو غزل کا جو سانچہ تیار کیا اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ میر کی نفسی کیفیات سے غزل میں مشاہدے کی ایک وسیع دنیا وجود میں آئی اور خاص طور پر ان کے لسانی لب و لہجے نے ایک ایسے شعری اسلوب کی بنیاد قائم کی کہ جسے پورے ہندوستان میں عروج حاصل ہوا۔ میر کا داخلی کرب، انتشار، سکون، جذبات اور محسوسات کو مختلف استعاروں کی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ اس کی سوچ کے داخلی سانچے مستقل طور پر استعاروں کی شکل اختیار کرتے ہیں اور رفتہ رفتہ ان کا استعاراتی نظام استوار ہوتا چلا جاتا ہے۔ درحقیقت استعارے کا یہ منفرد استعمال ان کی باطنی دنیا کا سفر ہے۔ جہاں وہ لاشعور کی گہرائیوں سے تجربات کا نچوڑ نکال لاتے ہیں، جہاں وہ خود کو دریافت کرتے ہیں اور ان کی تخلیقی قوتیں استعارے کی صورت میں مجتمع ہو جاتی ہیں۔(۷)

میر کی شاعری میں اضطراب، بے قراری اور بے چینی کی جو مسلسل کیفیت ملتی ہے، یہ ان کی سائیکی کا وہ حصہ ہے جس کا سبب ان کا مضطرب ماضی ہے جس میں صدمات اور مصائب کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ملتا ہے۔ میر کی شاعری میں بے بسی، پژمردگی، ضعف اور انفعالیت زندگی کے پراضطراب ایام میں افتادگی کا احساس دلاتے ہیں:

تیرے کوچے کے شوقِ طواف میں جیسے بگولہ تھا
بیابان میں غبارِ میر کی ہم نے زیارت کی
پژمردہ اس قدر ہیں کہ شبہ ہم کو ہے اے میر
تن میں ہمارے جان کبھی تھی بھی یا نہیں(۸)

میر کی دلی بھی اجڑتی سنورتی رہی۔ کبھی جاٹوں کے حملے، کبھی مرہٹہ گردی اور کبھی نادر شاہ نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ یہاں تک کہ آگرہ کے بعد میر کو دلی سے بھی لکھنو ہجرت کرنا پڑی۔(۹)

 میرا جی کی پیدایش ۱۹۱۲ء اور وفات ۱۹۴۹ء کے درمیان دنیا دو عالمگیر جنگوں کا شکار ہوئی جس کے نتیجے میں سارا معاشرتی، فکری و معاشی نظام درہم برہم ہو گیا اور سارا روایتی اور اخلاقی نظام، سماجی اقدار اور انسانی رشتے ٹوٹ پھوٹ کر بے ربط و بے معنی ہو گئے۔ مغلوب قوتیں آزادی کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ سرمایہ دارانہ اور جاگیردانہ نظام آنکھوں میں کھٹکنے

لگا۔فرائڈ اور آئن سٹائن کے نظریات نے نئے معاشی ،سائنسی ،انسانی اور ذہنی علوم کے امکانات وا کر دیے، برصغیر میں بھی اس بدلتے ہوئے تناظر سے متاثر ہوا اور یہاں بھی صورتِ حال تیزی سے بدلنے لگی۔(۱۰)

''مستقبل سے میرا تعلق بے نام سا ہے ۔میں صرف دو زمانوں کا انسان ہوں ،ماضی اور حال۔۔۔۔یہی دو دائرے مجھے ہر وقت گھیرے رہتے ہیں اور میری عملی زندگی بھی انھی کی پابند ہے۔''(۱۱)

میراجی کا خارجی روپ ان کے داخلی وجود کا نتیجہ تھا۔انھوں نے اپنے خوابوں کے ساتھ اپنی زندگی کو مختلف سانچے میں ڈھالا۔انہوں نے اپنی روح کے اظہار کے لیے رسمی اخلاقیات میں گھرے ہوئے معاشرے میں بغاوت کی جرأت کر ڈالی۔ان کے خارجی و داخلی وجود کے اظہار کے لیے گہری معنویت پوشیدہ ہے:

''میں دلی چھوڑ کے بمبئی کے گردونواح میں ہوں۔ پہلے دفتری میزوں پر سوتا تھا اب فرش پر براجمان ہوتا ہوں۔۔۔،خود کو کبھی معمولی اور کبھی پہنچا ہوا بڑا فقیر تصور کرتا ہوں اور دنیا شاید مجھے بھکاری سمجھتی ہے۔سچ ہے ،سماج کے فرائض جس طرح دنیا انھیں سمجھتی ہے۔(میں نے) جس طرح میں انھیں سمجھتا ہوں ، پورے نہیں کیے لیکن اپنی جسمانی زندگی سے زیادہ جس قدر ذہنی زندگی بسر کی ہے،اس کا لحاظ کسے ہوگا۔''(۱۲)

اپنی ذات کے اظہار کے لیے میراجی نے اپنے دوست عبداللطیف کو ۱۲۱ کتوبر ۱۹۴۶ء کو ایک خط لکھا۔ذہنی زندگی کی بات کر کے اسی خط میں میراجی سماجی وفکری نظام کے خلاف بغاوت کا پہلو اجاگر کرتے ہیں:

''افسوس یہ بھی ہے ایک سوال ہے اور سوال بھکاری کی دوسری عادت، کیا میں کبھی اس قابل نہ ہوسکوں گا کہ سوال کی بجائے اپنے آپ کو فیصلے کا اہل ثابت کر سکوں۔''(۱۳)

فرزانوں کی اس دنیا میں دیوانہ اپنی بات اور اپنا فیصلہ خود کرنا چاہتا ہے۔میراجی ساری عمر اکیلے پن اور لاحاصلی کا دکھ سہتے رہے یہ دکھ کا بھوگ انھیں لوگوں کی نفرت کا نشانہ بناتا رہا۔

''جدید نفسیات نے اس تمام پریشان خیالی کو جنسی رنگ دے دیا۔''(۱۴)

رات اندھیری، بن ہے سونا ،کوئی نہیں ہے پاس
پون جھکولے پیڑ ہلائیں، تھر تھر کانپیں پات
دل میں ڈر کا تیر چُبھا ہے ، سینے پر ہے ہاتھ
رہ رہ کر سوچوں یوں کیسے پوری ہو گی رات

وہ جو خود جنس سے دور تھے مگر ان کی شاعری کا نمایاں پہلو ہی جنس ہے۔میراجی خود کہتے ہیں:

''میری نظموں کا نمایاں پہلو ان کی جنسی حیثیت ہے۔''(۱۵)

جنس ابہام کے پردوں میں چھپ کر ہی جمالیاتی سطح کو چھو سکتی ہے۔میراجی نے جنس کو اُردو شاعری میں داخل کیا اور ہمارے شعور کا حصہ بنایا:

''جنسی فعل اور اس کے متعلقات کو میں قدرت کی بڑی نعمت سمجھتا ہوں اور جنس کے گرد جو

آلودگی تہذیب وتمدن نے جمع کر رکھی ہے وہ مجھے ناگوار گزرتی ہے اس لیے ردِعمل کے طور پر
میں دیکھتا ہوں جو فطرت کے عین مطابق ہے اور۔۔۔جو میرا آدرش ہے۔''(۱۶)

میرؔ اور میرا جیؔ کے عشقِ لاحاصل نے دیوانگی میں فرزانہ پن پیدا کیا۔ میرؔ اس پیکرِ جمال سے شب بھر گفتگو کرتے اور تصور میں اسے قریب پاتے بلکہ انھیں ہر طرح کا وصل مہیا لگتا جب کہ میراؔجی نے تو تصور کے زور پہ میرا سین کے سراپا کو اس قدر قریب پایا کہ وہ وصل کا ہر رو یہ محسوس کرتے۔

میلے کپڑے کی طرح لٹکی ہوئی تصویریں
بیتے دن رات میرے سامنے لے آتی ہیں(۱۷)

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس کہ تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی(۱۸)

میرا جیؔ نے کبھی گھر بسانے کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ میرا سین سے شکست کھانے کے بعد اس نے مجرد رہنے کا فیصلہ کیا۔ وہ شاعری کو اپنی اولاد سمجھ کر دنیا کو ایک تنہا آدمی کی طرح چھوڑ گیا۔ میرا جیؔ خواہشِ زیست کا قوی جذبہ نہ رکھتا تھا۔ زندگی کے تمام عوامل دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اس کو شکست وریخت کی طرف لے جاتے۔(۱۹)

میرا جیؔ ۳۸ برس کی عمر میں بمبئی کے ایک ہسپتال میں بے یارو مددگار انتقال کر گئے۔ جنازے میں گنتی کے چند آدمی تھے۔ کوئی اپنا ساتھ نہ تھا۔ میرا جیؔ جو خود کو میرا سین میں تحلیل کر چکے تھے اسی کو ساتھ لے کر چل دیے۔ نگری نگری پھرا مسافر، گھر کا رستہ بھول گیا۔

دوسری طرف میرؔ کی شاعری میں اضطراب و بے چینی کی مسلسل کیفیت ملتی ہے جس کا سبب میرؔ کا مضطرب ماضی ہے۔ میرؔ کی سائیکی میں پائی جانے والی بے قراری اور بے چینی کی یہ انتہائی صورت ہے۔

نہ دیکھا میرؔ آوارہ کو لیکن
غبار اک ناتواں سا کُو بہ کُو تھا
ہے بگولہ غبار کس کا میرؔ
کہ جو ہو بے قرار اٹھتا ہے

میرؔ شخصی طور پر تجربے اور احساس کی بے شمار باطنی اور دنیاوی منزلوں سے گزرا تھا، میرؔ کی شاعری میں دل و جاں، مسلسل عذاب اور ناتمامی کی حالت میں نظر آتے ہیں۔ ان کی سائیکی تشنہ کامی اور خواہش کی ناتمامی کے ایک نہ ختم ہونے والے عذاب میں نظر آتی ہے۔

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی
جان گھبراتی ہے اندوہ سے تن میں کیا کیا
تنگ احوال ہے اس یوسفِ زندانی کا

۱۸۱۰ء میں تپ دِق کا مرض میرؔ کو نگل گیا۔ اگر چہ میرؔ نے طویل عمر پائی مگر وہ اس طویل میں چند لمحے ہی واقعی جی پائے

ہوں گے۔

دونوں شعراء کے عشق نے ان کی زندگی کو بے حد متاثر کیا اور اہلِ ادب کو اُن عشاق نے جاودانی کلام دیا۔ان کے عشق میں بڑی گہرائی ہے، میرؔ نے اس عشق سے دیوانگی کے بعد فرزانگی پائی اور بیش قیمت کلام دیا اور میراجی تو ایسے عشق میں رنگے کہ ثناءاللہ ڈار کو مار کر وہ میرا سین کے ساتھ ایسے جیے کہ خود میراجیؔ بن گئے۔

حوالہ جات

۱۔ میرؔ، ذکرِ میرؔ، مرتب: ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، س ن، ص:۳۰

۲۔ انیس ناگی، ڈاکٹر، میراجیؔ۔ایک بھٹکا ہوا شاعر، لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، ۱۹۹۱ء، ص:۱۲

۳۔ ایضاً، ص:۱۳

۴۔ میر، ذکرِ میر، مرتب: ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، ص:۱۷۷

۵۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو کی تاریخ، جلد اول، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۳۱۴

۶۔ میر، ذکرِ میر، مرتب: ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، ص:۳۰۔۲۹

۷۔ اردو ادب کی تاریخ، ص:۳۲۲

۸۔ ایضاً، ص:۳۲۵

۹۔ آزاد، محمد حسین، آبِ حیات، مرتب: ڈاکٹر تبسم کاشمیری، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۰ء، ص:۲۰۵

۱۰۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، میراجی۔۔۔ایک مطالعہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء، ص:۲۸

۱۱۔ میراجیؔ، میراجی کی نظمیں، لاہور: ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۴ء، ص:۱۲

۱۲۔ مغنی تبسم، ڈاکٹر، مرتب: شعر و حکمت، حیدر آباد (دکن): ۱۹۸۸ء، ص:۱۰۲

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۰۳

۱۴۔ میراجیؔ، میری بہترین نظم، مرتب: محمد حسن عسکری، دہلی: ساقی بک ڈپو، ۱۹۴۴ء، ص:۱۴

۱۵۔ ایضاً، ص:

۱۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، میراجی۔۔۔ایک مطالعہ، ص:۲۶

۱۷۔ میراجی، میراجی کی نظمیں، ص:۱۴

۱۸۔ ایضاً، ص:۴۷

۱۹۔ میراجی۔ایک بھٹکا ہوا شاعر، ص:۱۶۔۱۵

☆.....☆.....☆